مرثیہ

درحال حضرت عباس علیہ السلام (بند۱۵۱)

خدائے سخن خلاق مضامین مولانا نواب سید مہدی حسین ماہرؔ اجتہادی

(۱)

قبضے میں مرے صورت شمشیر زباں ہے
خونِ دل خوش فہم کا ہم رنگ بیاں ہے
باتوں کا مرے مول عدو کا زرِ جاں ہے
جوہر کا جو سودا ہے تو قیمت بھی گراں ہے
گاہک بھی پھڑک جاتے ہیں نخچیر کی صورت
دوکان مری چلتی ہے شمشیر کے صورت

(۲)

دو تیغیں مری لب ہیں اور اک سیف زباں ہے
تلوار کا منھ کہتے ہیں جس کو وہ دہاں ہے
قدرت کا تماشہ ہے، نیا طرز بیاں ہے
جو لب ہے وہی تیغ، وہی عین کماں ہے
اب توڑ سمجھ لیجئے کیونکر نہ کھلیں گے
تیغوں کی کمانوں سے مرے تیر چلیں گے

(۳)

پھر تیغ زباں معرکہ آرائے سخن ہو
اس شرط سے لیکن کہ نہ مضمون کہن ہو
اور دوسری ہے قید کہ آزاد چلن ہو
اور تیسری مرغوبِ دل ماہر فن ہو
ہو شرط چہارم بھی عیاں طرز بیاں سے
خالی ہو نہ مضموں بھی کوئی لطف زباں سے

(۴)

تھا رمز و کنایات نہ پہلے مرا دستور
اب رسم زمانہ سے مگر میں بھی ہوں مجبور
اک وجہ یہی ہے کہ میں تہمت سے رہوں دور
ارباب سخن آج تو رکھیں مجھے معذور
کیوں میں وہ سہوں جو مجھے سہنا نہیں آتا
کیوں لوگ کہیں یہ انہیں کہنا نہیں آتا

(۵)

فن مرثیہ گوئی کا بھی رسوائے جہاں ہے
رنگیں جسے کہتے ہیں وہ سادہ سا بیاں ہے
اوروں کے خیال اور ہیں میرا یہ گماں ہے
جو بات پہ قادر نہیں وہ گنگ زباں ہے
تعریف بیاں کیا ہو بیاں ہی نہیں رکھتی
خوبیٔ زباں کیسی زباں ہی نہیں رکھتی

(۶)

حیرت کی تو یہ بات ہے کیوں ہو نہ تالّم
مضموں مرے یوں لیں کہ مرے ہوش بھی ہوں گم
ایسوں کے مراسم پہ ہو لوگوں کو تحتّم
مضموں تو ہوں غیروں کے پڑھیں وہ بہ تبسم
کیا ذکر مدارا کا ملاقات نہ کرتا
میں ان سے زباں سے بھی کبھی بات نہ کرتا

(۷)

شاگردوں کی کثرت سے خودی ہوگئی برباد
آخر کو نہ اپنے ہی سخن کی رہی بنیاد
حد سے جو بڑھی حرص تو یہ بھی نہ رہا یاد
شاگرد وہ کم کرتے تھے جو لوگ تھے استاد
صد شکر کہ میں خانۂ برباد نہیں ہوں
استاد وہی ہیں تو میں استاد نہیں ہوں

(۸)

فن مرثیہ گوئی کا ہے، آساں یہ نہیں ہے
مجموعۂ اوراق پریشاں یہ نہیں ہے
یہ نظم ہے، بازیچۂ طفلاں یہ نہیں ہے
مضمون لڑیں جس میں وہ میداں یہ نہیں ہے
یہ کون کہے جان مصیبت میں پڑے گی
مضمون لڑیں گے تو طبیعت نہ لڑے گی

(۹)

سب کچھ کہیں بے سمجھے تو کھولیں نہ دہن کو
میراث سے کیا ربط ہے اشعار کے فن کو
دیں شرع میں بھی دخل جو بھولیں نہ چلن کو
ناداں ہیں جو میراث سمجھتے ہیں سخن کو
حیراں ہوں ہنر کو نہ کرامات کو پایا
میراث میں پایا ہے تو اس بات کو پایا

(۱۰)

پھر لطف تو یہ ہے کہ ہے اس بات پہ اصرار
حالانکہ نہیں ارث سے کچھ فن کو سروکار
گر مان بھی لیں تو بھی ہے بیکار کی تکرار
اولاد جو حاجب ہے وہ محجوب، یہ حقدار
حیرت تو یہ ہے ذہن خداداد کے ہوتے
حقدار بنے جاتے ہیں اولاد کے ہوتے

(۱۱)

گو جانب مضموں ابھی آیا میں نہیں ہوں
ہے کون نظر جس میں سمایا میں نہیں ہوں
سر پر جو نہیں سب کے وہ سایا میں نہیں ہو
شاگردوں کا استاد بنایا میں نہیں ہوں
دوں میں یہ جواب اب تو وہاں گنگ زباں ہو
شاگرد وہ میرا ہو جو استاد جہاں ہو

(۱۲)

استاد جو کچھ کہہ دیں تو شاگرد ہوں دل شاد
مجلس میں وہ غل ہوں کہ کرے شور بھی فریاد
یہ اُن کو پڑھائیں وہ کریں ان کا سبق یاد
شاگرد کے شاگرد ہیں استاد کے استاد
وہ ان سے سوا اور نہ یہ کم دیتے ہیں اُن کو
جان ان پہ وہ دیتے ہیں یہ دم دیتے ہیں ان کو

(۱۳)

آمد کے یہ معنی ہیں یہ آمد ہے سخن کی
تکیہ یہ زباں پر ہے، نہ مسند ہے سخن کی
رد اپنی کریں آپ عجب کد ہے سخن کی
آگے نہ بڑھے اس سے کہ جو حد ہے سخن کی
اور ایسی تعلی تو قیامت ہے ستم ہے
حد ہوگئی ہر مرثیہ گو خاکِ قدم ہے

(۱۴)

اخبار سے ہو باخبری گر انہیں حاصل
تعمیم نہ ایسے ہو نہ یہ خاص ہو مشکل
بات ایسی کبھی منہ سے نکالیں گے نہ عاقل
معصوم بھی تو مرثیہ گویوں میں ہیں داخل
حد ہو گئی اس طرح سے مفہوم کو چھوڑا
نا اپنے بزرگوں کو نہ معصوم کو چھوڑا

(۱۵)

سمجھے نہ کہ اس سے تو بلا آتی ہے سر پر
لوگوں کی طرح زلف بھی بل کھاتی ہے سر پر
ناگن انہی باتوں سے تو لہراتی ہے سر پر
جو خاک قدم ہے وہی تو جاتی ہے سر پر
گر موڑیئے اس بات کو تو یوں بھی مڑے گی
جائیں گے جدھر نظم میں واں خاک اڑے گی

(۱۶)

بعد اس کے یہ فرماتے ہیں بے ساختہ پن میں
جز ان کے نہ ابھرا کوئی دریائے سخن میں
گو اپنی ثنا عیب نہیں نظم کے فن میں
وہ بات ہو لیکن جو سمائے بھی دہن میں
کہہ دے کوئی نقصاں ہے مباہات میں ان کا
منہ کھل کے نہ رہ جائے بڑی بات میں ان کا

(۱۷)

آتی ہے یونہی طبع جدھر آتی ہے اکثر
یوں ہی سوئے دریا سوئے بر آتی ہے اکثر
میت بھی تو پانی پہ نظر آتی ہے اکثر
مٹی بھی تو دریا میں ابھر آتی ہے اکثر
دریا کے تموّج میں گذرتے نہیں دیکھا
حیران ہوں خس کو بھی ابھرتے نہیں دیکھا

(۱۸)

یہ حالِ سخن ہے، یہ ٹھکانے کی زباں ہے
بگڑی ہوئی باتوں کے بنانے کی زباں ہے
فخر اس کا عبث ہے کہ گھرانے کی زباں ہے
میری وہ زباں ہے، جو زمانے کی زباں ہے
مجھ کو ہو تفاخر تو بجا بھی ہے بیاں میں
ہے لاکھ زبانوں کا مزہ ایک زباں میں

(۱۹)

کچھ اور گرے زور اگر ذہن پہ ڈالا
نا آپ ہی سنبھلے نہ طبیعت کو سنبھالا
ارمان برسنے کا بھی اس طرح نکالا
جس طرح سے پڑ جاتا ہے ہلکا کوئی جھالا
انداز تو تھا برق کی سی جلوہ گری کا
دیکھا تو نشاں بھی نہ زمیں پر تھا تری کا

(۲۰)

جتھوں کی جو مجلس ہو تو کیا اس سے ہوں دل تنگ
پلے میں جواہر کے بھی ہوتے ہیں کبھی سنگ
یہ بات سمجھ لے ہے تو حیران میں نا دنگ
جمتے ہیں وہ اڑتے ہیں مری بزم میں جو رنگ
کوئی تو کہے مثل ہوا تھم نہیں سکتا
جو اصل اڑا رنگ ہو وہ جم نہیں سکتا

(۲۱)

مجلس کے بھی شوروں پہ انہیں فخر ہے بیجا
ناز اُن کو ہے اُس کا تو مجھے فخر ہے اس کا
بالفرض ہوئے رنگ تو باعث تو میں ہی تھا
آخر مری سب مجلسوں کے رنگ ہوئے کیا
سمجھیں تو خبر ان کو بھی کچھ دے کے گئے تھے
یہ غل وہ ہیں یاں سے جو ہوا لے کے گئے تھے

(۲۲)

کہہ دے کوئی نظروں میں تلا جاتا ہے وہ رنگ
آفت کے پسینوں میں گھلا جاتا ہے وہ رنگ
سمجھے ہیں جسے لعل دھلا جاتا ہے وہ رنگ
باندھا تھا جسے کس کے کھلا جاتا ہے وہ رنگ
کیا نظم ہو ہمت تو ذرا بندھ نہیں سکتی
اس رنگ کے بندھنے سے ہوا بندھ نہیں سکتی

(۲۳)

دے باغ سخن پھل بھی تو جنگل کی طرح سے
دیکھیں کسی یکتا کو تو احول کی طرح سے
برسیں بھی تو جاتے ہوئے بادل کی طرح سے
ابھریں بھی جو دریا میں تو ریتل کی طرح سے
اوڑھی وہ ردا سر سے تو مجوب یہ ابھرے
پانی کو بھی مٹی کیا کیا خوب یہ ابھرے

(۲۴)

ظاہر میں نہ مانیں وہ چلیں جن کی دوکانیں
اچھے ہیں تو ممکن ہی نہیں دل میں نہ مانیں
خوبیٔ زباں سے مجھے بیکار نہ جانیں
(اٹھتی نہیں) سب صورت انگشت زبانیں
چوٹیں وہ چلیں مجھ پہ جو دراصل کڑی ہیں
باتیں تو زباں کی مرے ناخن میں پڑی ہیں

(۲۵)

موتی تو ہوں اغیار کے اور ان پہ تصرف
غواص نہ یہ ہوں، نہ گریں چاہ میں یوسف
کیونکر نہ ہوں اب وہ ہمہ تن دست تاسف
گوہر بھی وہ ڈھونڈھیں، نہ صدف جن پہ کرے تف
ہو طرفہ مزا ایسے ہی حاصل جو صلے ہوں
مٹھی میں گہر بھی ہوں تو مٹی میں ملے ہوں

(۲۶)

یاں مثل کماں لی نہ کبھی بات پرائی
گو تیروں نے کی در پہ مرے ناصیہ سائی
وہ بعض طبائع ہیں یہ جن میں ہے صفائی
یاں جو ہے وہ ہے قوت بازو کی کمائی
بہرام بھی یاں آئے تو وہ گور کو دیکھے
چلہ کوئی کھینچے تو مرے زور کو دیکھے

(۲۷)

اک گھر کی زباں کوئی، یہ ہر گھر کی زباں ہے
اعلیٰ وہ زبان ہے کہ جو اکثر کی زباں ہے
شاہد ہے قلم بھی کہ سخنور کی زباں ہے
کم سے بھی جو کم ہو تو برابر کی زباں ہے
تلوار وہی ہے جو کسی اور دمی ہے
کچھ کم ہے جو اُن دو میں وہ مضموں کی کمی ہے

(۲۸)

بک جاتے ہیں جب اپنے مسدس کی طرح سے
قرطاس کا منھ تکتے ہیں بیکس کی طرح سے
جب آئے مری طرز میں بے بس کس طرح سے
بہتے ہوئے دریا میں چلے خس کی طرح سے
تھی یہ نہ خبر کون سے دریا میں گریں گے
اللہ ہی پھیرے گا انہیں جب تو پھریں گے

(۲۹)

برسوں کی خموشی پہ مرے کوئی نہ جائے
ممنون ہوں اس کا جو مجھے جوش میں لائے
مدت سے یہ حسرت تھی خدا دن وہ دکھائے
شمشیر قلم لے کے کوئی سامنے آئے
اللہ نے چاہا تو وہی ساتھ رہے گا
قرطاس کا میداں بھی مرے ہاتھ رہے گا

(۳۰)

ایسے بھی نہ دھیان آئیں دل صاحب فن میں
خاموش پڑے رہتے ہیں یہ بیت ضرن میں
دے گی یہ زباں کام بہرحال دہن میں
تیور بھی بجھیں گے تو مرے زہر سخن میں
کہہ دو سر دشمن سے بلا اب نہ ٹلے گی
کاٹھی میں جو چلتی ہے وہ تلوار چلے گی

مطلع

(۳۱)

جب چرخ پہ کی جلوہ گری حور سحر نے
دکھلائی تجلی رخ مستور سحر نے
آنکھیں ہی خنک کیں نہ فقط نور سحر نے
شمعوں کو بھی ٹھنڈا کیا کافور سحر نے
زائل نہ مریضوں کے فقط درد ہوئے تھے
شمعوں کے بھی جلتے ہوئے دل سرد ہوئے تھے

(۳۲)

وہ وقت اذان اور کسی بی بی کے وہ نالے
نالے بھی وہ نالے کہ جو دل کھینچنے والے
کہتی تھیں ٹہلنے میں کلیجے کو سنبھالے
بلبل مری نظروں سے خدا تجھ کو بچا لے
کیا روؤں میں کل کو کہ یہ دمساز نہ ہوگی
یہ تو مری جان آج ہے آواز نہ ہوگی

(۳۳)

دل ہی مرا سنبھلے تو میں کیونکر نہ سنبھالوں
تڑپے نہ کلیجا تو میں کیوں رنج نہ ٹالوں
آجا تو اب آخر کی بھی حسرت میں نکالوں
چہرے کی بلائیں لوں کلیجے سے لگا لوں
تو پاس ہے تو چین مرے ساتھ ہے بیٹا
تھمنا تو مرے دل کا تیرے ہاتھ ہے بیٹا

(۳۴)

حضرت نے صلوٰۃ سحری جب کہ ادا کی
بجنے لگی نوبت سپہ شر میں وغا کی
تکنے لگے شکل آپ عزیز و رفقا کی
پھرنے لگی تصویر سی آنکھوں میں قضا کی
اب جان دیں جانباز نہ کیوں شاہِ امم پر
بوسے دئے تیروں نے بھی تو آ کے قدم پر

(۳۵)

تیروں سے کمانیں ہوئیں اُس سمت جو خالی
جانے لگے مرنے کو سب انصار و موالی
لاشوں کے اٹھانے میں رہے یوں شہ عالی
آغوش میں دم اُس نے دیا، اس نے رضا لی
ہو کیوں نہ جہاں تیرہ و تاریک نظر میں
اب لاش وہ دولھا کی ہے آتی ہے جو گھر میں

(۳۶)

جب خیمہ میں لاش آئی جگر بند حسنؑ کی
وہ بین ہوئے جن سے زمیں ہل گئی رن کی
وہ کوک وہ فریاد اسیران محن کی
مخفی وہ اسی شور میں آواز دولہن کی
کیوں فرط حیا سے نہ وہ خود کانپ کے روئے
آواز بھی جس رانڈ کی منھ ڈھانپ کے روئے

(۳۷)

حضرت تو ہیں حیرت میں وہاں حشر ہے برپا
چپ بیٹھیں تو کیونکر، جو کہیں کچھ تو کہیں کیا
مرنا ہے تو کس کا کہ جو اک رات کا دولہا
رانڈوں میں ہے تو کون رنڈاپا ہے تو کس کا
خاموش بھی ہیں ضبط سہا بھی نہیں جاتا
یہ درد تو کچھ منھ سے کہا بھی نہیں جاتا

(۳۸)

عباسؑ کے دل میں ہے جو کہنا ہو وہ کہہ لے
حالت کا بیاں ہے یہی مر جائیں گے پہلے
اکبرؑ بھی اسی فکر میں گو سامنے ٹہلے
تیور سے مگر آپ کے وہ اور بھی دہلے
فرمایا نہ ہو گر تمھیں آرام نہیں ہے
شہزادوں کا میداں میں ابھی کام نہیں ہے

(۳۹)

حضرت کو بھی تحریک کا موقع جو ملا ہے
فرماتے ہیں بھائی تمہیں اس وقت یہ کیا ہے
ہر چند جو صدمے سے ہو حالت وہ بجا ہے
لیکن یہ دم صبر ہے، ہنگام رضا ہے
برہم نہ طبیعت ہے نہ کچھ جبر کئے ہیں
دیکھو ہمیں کس طرح سے ہم صبر کئے ہیں

(۴۰)

یہ سن کے گئے شاہ کی خدمت میں بہ عجلت
بھائی کو لئے ساتھ چلے خیمہ میں حضرت
زینبؑ سے یہ ارشاد کیا باغم و حسرت
تم نے بھی سنا! ہوتے ہیں عباسؑ بھی رخصت
کیا تم سے کہوں حال جو دکھ لائے ہیں زینبؑ
اب تم سے اجازت کے لئے آئے ہیں زینبؑ

(۴۱)

کی عرض کہ کیا آپ نے دے دی انہیں رخصت؟
فرمایا کہ کیا کرتا نہ دیتا جو اجازت
تھمنے ہی کی تھی شکل نہ رکنے ہی کی صورت
بچوں کے لئے آب ہی لانے کی ہے حسرت
کہتے ہیں خدا چاہے تو لے آؤں گا پانی
یا جان ہی دے دوں گا میں یا لاؤں گا پانی

(۴۲)

بچوں نے جو اس طرح سے پانی کا سنا نام
ہر ایک کا منہ فرط خوشی سے ہوا گلفام
بندھنے لگی امید، ہوئے قلب کو آرام
اتنے ہی میں پھرنے لگے ہاتھوں میں لئے جام
دوڑ آئے تھے وہ بھی یوں ہی جو دور کہیں تھے
تھے جام بھی ہاتھوں میں تو ہونٹوں کی قریں تھے

(۴۳)

پھر شکل وہ جو شکل کلیجوں کو ہلائے
اللہ نہ دشمن کو بھی ساماں یہ دکھائے
وہ پیاس کہ چہروں پہ دھواں سا نظر آئے
کہتے ہیں کٹوروں کو یہ ہونٹوں سے ملائے
امید میں اب ہیں تو مریں گے نہ جئیں گے
جب آئے گا پانی تو ہم اس طرح پئیں گے

(۴۴)

عباسؑ نے دیکھی جو یہ اطفال کی حالت
زینبؑ سے یہ کی عرض محل پا کہ بعجلت
آپ اتنا سمجھ لیجئے اے خواہر حضرت
رخصت نہ ہوا میں تو مری جان ہے رخصت
ایسا نہ ہو درپیش اک آفت کی گھڑی ہو
یہ بھی نہ ہو میری بھی یہیں لاش پڑی ہو

(۴۵)

تسلیم بجا لا کے چلا واں سے غضنفر
واں آئے جہاں آپ کی زوجہ تھی کھلے سر
فرمایا یہاں کیوں ہو یہ کیا حال ہے ابتر
موقع ہے خوشی کا تو عبث قلب ہے مضطر
واں رنج کی برچھی جو کلیجے میں گڑی تھی
تھرا کے کہا کچھ نہیں میں یوں ہی کھڑی تھی

(۴۶)

فرمایا کھڑے ہونے میں واں کیا ہے قباحت
مطلب یہ ہے ہم خوش ہیں تمہیں بھی ہو مسرت
اس سے بھی زیادہ ہے خوشی کی کوئی صورت
تم نے بھی سنا ہوگا ہمیں مل گئی رخصت
سب لطف ہے دل غم سے نہ آگاہ ہوں صاحب
ہم اور نثار شہہ ذی جاہ ہوں صاحب

(۴۷)

کی عرض کہ ہوگی بسر اطفال کی کیونکر
ہر چند سب اولاد ہیں سب مجھ کو برابر
یہ میرے لئے لخت جگر ہے، تو وہ دلبر
چھوٹے کی طبیعت سے مگر سخت ہوں مضطر
حیرت میں ہوں بگڑے ہوئے تیور ہیں ابھی سے
اب آپ نہ ہوں گے نہ یہ سنبھلے گا کسی سے

(۴۸)

سب ہنستے ہیں پھولوں میں جو بستا ہے ابھی سے
ہول آتا ہے وہ رعب برستا ہے ابھی سے
میدان کو یہ دیکھ کے ہنستا ہے ابھی سے
چھوٹی سی وہ تلوار کو کستا ہے ابھی سے
خود کہئے کہ کس طرح مچلتا ہے بگڑ کے
جب آپ اسے میدان سے لاتے ہیں پکڑ کے

(۴۹)

یہ کام جوانوں کے دکھاتا ہے ابھی سے
میداں کا تماشہ اسے بھاتا ہے ابھی سے
چورنگ پہ یہ ہاتھ لگاتا ہے ابھی سے
ناوک سے نشانوں کو اڑاتا ہے ابھی سے
یہ کیا ہے اگر کوئی اسے یہ بھی سکھا دے
یہ تیر سے مانندِ ہدف ہوش اڑا دے

(۵۰)

یہ تیغ نہ کھینچے سے جو ہوجاتا ہے ناچار
تلوار کے گھوڑے پہ پھرا کرتا ہے اسوار
ہر طرح اسے رہتا ہے مطلب سے سروکار
یہ کھینچتا پھرتا ہے اسی طرح سے تلوار
پل باندھے گا لاشوں کے جواں ہو کے یہ شط پر
یہ راہ بھی چلتا ہے تو تلوار کے خط پر

(۵۱)

گر چیز نہ دوں اس کو تو دل ہوتا ہے تھوڑا
ضد کرنے سے اس نے کہیں منہ اپنا نہ موڑا
کہتا ہے کہ ہم نے فرس اس واسطے چھوڑا
تلوار کے آگے کوئی چلتا نہیں گھوڑا
تو سینہ پہ اسوار ہو کیوں تیغ پہ چڑھ کے
گھوڑا کوئی چلتا نہیں تلوار سے بڑھ کے

(۵۲)

ایسا جو ہو اس کا کہیں بل جاتا ہے صاحب
لے لیتا ہے جس شئے پہ مچل جاتا ہے صاحب
تلوار جو دے دوں تو سنبھل جاتا ہے صاحب
راتوں کو یہ جنگل میں نکل جاتا ہے صاحب
یہ بھی عجب اس سے نہیں، ہو باپ کے پیچھے
آپ آگے ہوں میدان میں یہ آپ کے پیچھے

(۵۳)

فرمایا کہ سچ کہتی ہو، ہیں ایسے ہی آثار
آفت کا جری ہوگا، قیامت کا یہ جرار
جنگ اس سے شجاعوں کو بھی ہوجائے گی دشوار
یہ باڑھ پہ آ جائے تو ہو ہاتھ بھی تلوار
آئے گا مبارز نہ کوئی ساتھ میں اس کے
دو کاٹ جب آجائیں گے اک ہاتھ میں اس کے

(۵۴)

کی عرض جہاں یہ ہے، پہ مرنا بھی بجا ہے
آفت میں جگر بند رسولؐ دو سرا ہے
ہرچند قیامت یہ رنڈاپے کی بلا ہے
لونڈی ہوں تو میرا بھی یہی طرز وفا ہے
رنج اس کا ہے دنیا میں اجالا بھی نہ ہوگا
میری تو وفا دیکھنے والا بھی نہ ہوگا

(۵۵)

اس ہجر کو بھی موت کی گھات آتی ہے صاحب
رانڈوں کی اجل بہر حیات آتی ہے صاحب
شکوہ یہ نہیں کہنے میں بات آتی ہے صاحب
دن جا کے رنڈاپے کی ہی رات آتی ہے صاحب
یوں کیا ہو تڑپ کر تو بسر ہی نہیں ہوتی
اور رات ہے وہ جس کی سحر ہی نہیں ہوتی

(۵۶)

یہ بھی (ہے) عیاں آپ پہ، بچے ہیں ذرا سے
تکلیف بہت دیں گے مجھے آہ و بکا سے
دن وہ بھی گذر جائیں گے صاحب کی دعا سے
بہلاؤں گی دل میں انہیں آلات وغا سے
کھل جائیں گے عقدے بھی یوں ہی دل کی گرہ کے
روئیں گے تو منھ ڈھانپ کے دامن سے زرہ کے

(۵۷)

ہر چند توجہ سوئے اطفال رہے گی
پر حسرت دل اس پہ بھی پامال رہے گی
جو حزن کی صورت ہے بہرحال رہے گی
منھ سب سے چھپانے کو یہی ڈھال رہے گی
یاں تک کہ جنازہ بھی مرا گھر سے اٹھے گا
اس ڈھال کا سایا نہ مگر سر سے اٹھے گا

(۵۸)

رانڈوں ہی کی صحبت میں کروں گی بسر اکثر
رکھوں گی صغیروں کی بھی اپنے خبر اکثر
راتوں کو مرے منہ پہ رہے گی سپر اکثر
تلوار کے صیقل میں کروں گی سحر اکثر
بولوں گی کسی سے نہ مری بات کٹے گی
دن یوں ہی کٹے گا تو یوں ہی رات کٹے گی

(۵۹)

گو زیست مرے دل پہ بہت بار رہے گی
اور حسرت دل بھی صفت خار رہے گی
گر روح بہت طالب دیدار رہے گی
پہلو میں مرے آپ کی تلوار رہے گی
گو ہجر قیامت ہے جواں کو مسنوں کو
میں تیغ سے کاٹوں گی رنڈاپے کے دنوں کو

(۶۰)

سمجھا کے غرض ان کو اٹھا شہ کا فدائی
اٹھنا تھا کہ تصویر فرس سامنے آئی
پٹری بھی جویاں دھیان میں راکب نے جمائی
اصطبل سے شبدیز نے آواز سنائی
اس وقت ادا جو تھی قیامت تھی ستم تھی
چلتی ہوئی قینچی سے پچھاڑے بھی نہ کم تھی

(۶۱)

مشتاق تھے یاں آپ کہ وہ رخش کس آیا
اڑ کر در اصطبل سے مانند خس آیا
خیمے کے محاذی یونہی صرصر نفس آیا
پردے بھی ہلے، آپ بھی سمجھے فرس آیا
وہ چال سے پریوں کے نہ کیوں ہوش اڑا دے
آنے کی خبر اس کے جو دے بھی تو ہوا دے

(۶۲)

غل بھی ہوا اتنے میں کہ شبدیز کس آیا
آیا ہے تو مانند ہوا و ہوس آیا
کس قہر کی رفتار سے صرصرنفس آیا
خیمے میں ہوا بھرنے لگی یوں فرس آیا
دشمن کا جو گھر ہو تو یہ ہو واں گذروں سے
اڑنے لگے خیمہ بھی قناتوں کے پروں سے

(۶۳)

اظہار یہ اس سے تھا کہ ذیجاہ ہوں میں بھی
راکب کی طرح مائل جنگاہ ہوں میں بھی
جس حال میں اب آپ ہوں ہمراہ ہوں میں بھی
سب دیکھ لیں اس گھر کا ہواخواہ ہوں میں بھی
کیا ایک فقط خیمۂ اطہر میں بھری ہے
اس گھر کی ہوا یوں ہی مرے سر میں بھری ہے

(۶۴)

القصہ چلے حمزۂ صفدر کی طرح سے
رایت کو سنبھالے ہوئے جعفر کی طرح سے
شوکت بھی چلی ساتھ جو گھر بھر کی طرح سے
نکلے درِ دولت سے یہ حیدرؑ کی طرح سے
اعجاز نہ اب کیوں ہوں، ولی ابن ولی تھے
خیمے میں تو عباسؑ تھے، نکلے تو علیؑ تھے

(۶۵)

آئے بھی تو کب مثل علیؑ خانۂ زیں پر
سم اُس کے جمے تھے نہ (ا) بھی جم کے زمیں پر
اب ہو حرکت ان کو تو کس طرح کہیں پر
تھا نام بلند ایک کہ کندہ تھا نگیں پر
راکب یہ ہوں، توسن وہ ہو، اس طرح کا زیں ہو
عالم کی زمیں ان کے نہ کیوں زیر نگیں ہو

(۶۶)

کیونکر نہ اسے فوق ہو اک ایک فرس پر
اللہ رے سبک رو کہ چلے بانگ جرس پر
دنیا کی حدیں طے ہوں فقط دل کی ہوس پر
تھک جائے تو اتنا کہ نفس آئے نفس پر
کیوں ایسے فرس کے نہ طرارے ہوں بلا کے
دم بھی جو چڑھے اس کا تو گھوڑے پہ ہوا کے

(۶۷)

یہ عشق میں نعلوں کے مہ نو کا بیاں ہے
بن جاؤں جو میں نعل تو یہ بخت کہاں ہے
گردوں پہ اسی سے تو بہ حسرت نگراں ہے
بسمل کی ہے رفتار کبھی یاں کبھی واں ہے
یہ بھی ہے اثر ایک اسی کے تگ و دو کا
ناخن نہیں جمتا ہے فلک پر مہ نو کا

(۶۸)

یوں چرخ پہ یہ اپنے کسی کام کو پہنچے
فکر حکما بھی نہ حد گام کو پہنچے
جنبش نہ پلک کی ابھی انجام کو پہنچے
یاں سانس لے، افلاک پہ اتمام کو پہنچے
پھر آئے کرے سیر تو اس طرح جہاں کی
اک جنبش اول بھی نہ ہو ختم عناں کی

(۶۹)

کیوں ضیق سے دنیا کی ہو دل اس کا نہ پُرغم
اک نعل جسے دائرہ وسعت عالم
انگاروں سے لال اکھڑیاں یوں بھی تھیں نہ کچھ کم
پٹری جو لڑی اور طبیعت ہوئی برہم
ممکن ہی نہ تھا گرد بھی ہو ٹاپ سے باہر
کیوں سایا نہ پیدا ہو کہ ہے آپ سے باہر

(۷۰)

یوں نعل در آتش ہے فرس دشت بلا میں
ذرے بھی شرر سے نہیں کم تاب و ضیا میں
جب ریزۂ سنگ اڑتے ہیں چلنے کی ادا میں
چنگاریاں تاباں نظر آتی ہیں ہوا میں
شبہ یہ جب ہی کا ہے جب ہی کا یہ ہے شک بھی
دامن جو جھٹکتی ہے ہوا آج تلک بھی

(۷۱)

شرمندہ مہ نو بھی ہے گردن میں خم ایسا
اک قطرہ سمندر بھی ہے دریا قدم ایسا
یہ سیر زمین میں رہے ہوتا ہے کم ایسا
افلاک پہ بھی دم یہ نہ لے دار دم ایسا
خورشید بھی ہے ایک گواہ اس کی چمک پر
کف منہ سے گرایا تھا کبھی اس نے فلک پر

(۷۲)

جلدی ہے کہ جائے نہ صدائے جرس آگے
برہم ہے نہیں پیش کی صورت جو پس آگے
غصہ ہے، نہ صرصر ہے، نہ اس کی ہوس آگے
پھر کیوں ہے ذرا سے یہ ہوائے نفس آگے
یہ تو نہ رکا راہ میں دم چڑھ گیا آخر
بات اپنے سے کی سانس سے بھی بڑھ گیا آخر

(۷۳)

سن رکھئے کہ اب گرد سواری کا بیاں ہے
راکب کا وہ نقشہ ہے، وہ گھوڑا بھی رواں ہے
وہ تیغ کمر میں ہے، وہ کاندھے پہ نشاں ہے
گھوڑا دورکابہ ہے، زرہ پوش جواں ہے
سب طور ہے اس میں پسر شاہ نجف کا
یہ گرد بھی رخ باندھے ہے دریا کی طرف کا

(۷۴)

آمد ہے ترائی میں یہ کس شیر وغا کی
کچھ صبح سے اکھڑی ہوئی ہے سانس ہوا کی
موجیں نہیں، ہے عام خبر بس کہ صبا کی
دریا کو بھی سیر آئی ہے کچھ آب بقا کی
جو شئے ہے جہان میں وہ فنا کے ہے یقیں میں
پانی بھی اسی خوف میں مرتا ہے زمیں میں

(۷۵)

لشکر میں ہے غل شیر اَحد آتا ہے رن میں
یوں ہی نہیں با غیظ اشد آتا ہے رن میں
بپھرا ہوا ضرغام صمد آتا ہے رن میں
چھوڑے ہوئے بچوں کو اسد آتا ہے رن میں
ساتھ اس کے جو کچھ ہے وہ قیامت کی خبر ہے
پیشے میں تو ہے جان ترائی پہ نظر ہے

(۷۶)

ساحل سے اگرچہ لب خاموش ہے دریا
کیا بات ہے اس پر ہمہ تن جوش ہے دریا
ہو آب ہوا گر تو سبک دوش ہے دریا
پانی کی ہے چادر کہ کفن پوش ہے دریا
دریا ہی کو دہشت یہ فقط ایک نہیں ہے
خود دھوپ بھی اس خوف سے پیوند زمیں ہے

(۷۷)

کس دل میں نہیں دہشت تیغ صفہانی
جو شے ہے جہاں میں وہ اسی ڈر سے ہے فانی
کس شے کے نہیں ذہن میں ضربت کی گرانی
گھبرا کے زمیں سے ہی نکل آئے ہیں پانی
خبریں یہ تہہ خاک جو سن لی ہیں کہیں سے
پانی بھی ہوا کھانے کو نکلا ہے زمیں سے

(۷۸)

پانی کے بھی دل کو تو اُسی خوف نے چھانا
دریا بھی فراری ہے، بہاؤ ہے بہانہ
پانی کا وہ جوش اور وہ تلاطم کا زمانہ
تھی کوہ کی چوٹی کی ہر اک موج بھی شانہ
کب فرق سر کوہ کا موجوں سے ملا تھا
اس جنگ کی تعظیم کو طوفان اٹھا تھا

(۷۹)

گرمی سے ہوا مشل فراری ہوئی راہی
پتھر نے چٹک کر جو اماں دھوپ سے چاہی
وہ باد سموم اور وہ پرندوں کی تباہی
سبزے کے اڑے رنگ سے تھا چرخ بھی کاہی
حد سے یہ اثر باد سمومی کا بڑھا تھا
کچھ نخل جو تھے سبز تو وہ زہر چڑھا تھا

(۸۰)

وہ دھوپ وہ گرمی وہ طپش اور وہ تب و تاب
شعلہ ہوا ہے وہ جو اڑا طائر سرخاب
اللہ رے تپش لائے نہ انجم بھی زرا تاب
اسپند سر تار کی صورت ہوئے نایاب
حال ان کا وہ یہ روز جہاں تاب کی صورت
خورشید بھی تھا قطرۂ سیماب کی صورت

(۸۱)

نازل ہو نہ کیوں ناریوں پہ قہر الٰہی
بودے تو حقیقت میں مگر نام سپاہی
کوسوں کی وہ کثرت کہ دبے جاتے تھے ماہی
کم دھوپ کی حد سے نہ تھے لشکر کے سپاہی
رایات سیہ تھے کہ طلسمات زمیں پر
دن چرخ کے اطراف میں تھا، رات زمیں پر

(۸۲)

وہ لوگ تو کچھ اور ہی بے حال ہوئے تھے
چلتی ہوئی صرصر کے جو پامال ہوئے تھے
دل خلق کے سیماب کی تمثال ہوئے تھے
اور کوہ تو اخگر کی طرح لال ہوئے تھے
ادنیٰ تھا یہ عالم تپش مہر مبیں کا
جو کوہ تھا صحرا میں وہ شعلہ تھا زمیں کا

(۸۳)

گرمی کا وہ دور اور شہ خاور کی وہ شاہی
افواج کواکب کی بھی کی جس نے تباہی
تھی جل کے سیہ گو تھی نہاں خاک میں ماہی
تھے ابجزۂ ارض کہ لشکر کے سپاہی
یہ بھی تھا نہ ثابت کہ کبھی ابر کہیں تھے
رایات سیہ تھے کہ بخارات زمیں تھے

(۸۴)

وہ دھوپ وہ صحرا وہ غزالوں کی دوا دو
ایک ایک کے سائے پہ گرے پڑتے تھے سو سو
دریا بھی وہ تھا جس میں کہ خورشید کا پرتو
تھا حال پہاڑوں کا کہ سب دے رہے تھے لو
اس دن تھی یہ حدت طپش مہر مبیں سے
نیلا فلک اب تک ہے بخارات زمیں سے

(۸۵)

ہے پیش نظر رنگ بدلتی ہوئی تلوار
اس شیر کی کاٹھی سے نکلتی ہوئی تلوار
ابھری ہوئی لہریں ہیں، اُگلتی ہوئی تلوار
جو موج ہے دریا میں ہے چلتی ہوئی تلوار
جب طور یہ ہیں سر سے بلا کس کے ٹلے گی
اس گھاٹ پہ کس قہر کی تلوار چلے گی

(۸۶)

پانی میں بھی آتا ہے نظر عالم فانی
چھوٹی ہوئی تیغیں ہیں کہ موجوں کی روانی
ساحل کے بھی لب خشک ہیں صاف اس کی نشانی
دریا بھی نہ مانگے گا کبھی آج سے پانی
پھر کیا ہے یہ گر خاک کا پیوند نہیں ہے
ہاں قبر وہ پائی ہے کہ جو بند نہیں ہے

(۸۷)

دکھلائے ہیں آمد نے یہ طرفہ اثر اپنے
دانستہ گرائے ہیں حبابوں نے گھر اپنے
موجوں نے تلاطم میں جو کھینچے ہیں سر اپنے
پرواز کو دریا نے بھی کھولے ہیں پر اپنے
دریا ہی کا کیا حال یہ در کھول رہا ہے
صحرا بھی ہر اک شاخ سے پر تول رہا ہے

(۸۸)

ضیغم کے اب آنے میں نہیں دیر کی صورت
ہے راہ بھی سیدھی تو نہیں سیر کی صورت
کیونکر نظر آئے نہ اب اندھیر کی صورت
اب گرد میں بنتی بھی ہے تو شیر کی صورت
کہتی ہے ہوا بھی کہ دلیر آتا ہے رن میں
ہشیار ہو بپھرا ہوا شیر آتا ہے رن میں

(۸۹)

وہ جائے خطرناک کہ جو امن سے خالی
رایات سیہ تھے کہ گھٹا اٹھی تھی کالی
رکنا تھا فرس کا کہ بڑھی ہمت عالی
مانند علیؑ ایک نظر فوج پہ ڈالی
یہ ڈھنگ تھے ان کے تو وہاں حشر بپا تھا
حیدرؑ کا بھی دستور یہی روز وغا تھا

(۹۰)

پہنچے یہ غرض اور قریب صف ہیجا
جعفر کی طرح بر میں زرہ ہاتھ میں نیزا
بے باجوں کے باجے بجے، دل سب کا جو دھڑکا
راکب کی طرح رخش نے بھی فوج کو دیکھا
باعث تھا یہی فوج جو واں زیر و زبر تھی
حیدرؑ کی نگہ وہ تھی، یہ دلدل کی نظر تھی

(۹۱)

باعث ہے یہی واں جو قیامت کی ہے ہلچل
لشکر کا جو بن تھا وہ ہے اب شیر کا جنگل
دریا کی طرف جا رہے ہیں فوج کے بادل
یاں رخش بھی بے چین ہے خود آپ بھی بے کل
اس طرح سے نکلے کہ ہر اک بھاپ رہا ہے
ہے دیر جو میداں میں فرس ٹاپ رہا ہے

(۹۲)

جو شے ہے عیاں اس سے قیامت کے ہیں آثار
پنجہ ہے کہ نیزے پہ ہے خورشید نمودار
سینہ بھی کشادہ ہے، زرہ بھی ہے گراں بار
تلوار بھی پر گوشت ہے بازو بھی ہے تیار
تھے ناز فرس ہی کو نہ ایک ان کے قدم سے
تھی تیغ کی بھی پشت قوی آپ کے دم سے

(۹۳)

پائی جو وہاں شیر نے تاخیر کی صورت
آنے لگیں انگڑائیاں گھبرائی طبیعت
ہے لطف تو یہ، اس کی بھی ان سب کو ہے دہشت
سستے میں بھی یاں قہر بہاتی ہے قیامت
کیوں کسل بھی اب ہو نہ غضب رب صمد کا
انگرائی میں بڑھ جاتا ہے قد اور اسد کا

(۹۴)

تقسیم میں لشکر کے جو سردار ہے ہک دک
ماتحت سمجھ کر یہ بہم کرتے ہیں چشمک
وہ دشت ڈرانا وہ ہر اک قلب کے دہشت
ہے شیر کا جنگل تو نہ کیونکر ہو بھیانک
ہلچل ہے کہیں نظروں میں اندھیر کہیں ہے
گھوڑے بھی بھڑکتے ہیں کہ یاں شیر کہیں ہے

(۹۵)

ناگاہ بڑھی فوج، اٹھی گرد بلا خیز
اک آن میں لاکھوں فرسوں کو ہوئی مہمیز
ٹاپیں وہ کہ تھی جس سے زمیں بھی شرر انگیز
شعلہ تھے سوار آتش روشن فرس تیز
رایات (پہ) بھی شعلہ سرکش کا گماں تھا
کالے تھے علم یا اسی آتش کا دھواں تھا

(۹۶)

صفدر نے بھی یہ دیکھ کے لی میاں سے تلوار
کاٹھی تھی رگ ابر تو خود برق شرربار
تو سن بھی بڑھا وہ کہ جو تھا صاعقہ کردار
وہ قہر کا حملہ، وہ غبار سیہ و تار
اک آن میں گھوڑوں کی گئی تیز تگی وہ
ڈھالوں کے دھویں اڑنے لگے آگ لگی وہ

(۹۷)

کاٹھی سے جدا یوں ہوئی وہ معرکہ آرا
جس طرح سے جائے کوئی ٹوٹا ہوا تارا
جو باڑھ تک آیا، وہ زمانے سے سدھارا
قلزم یہ وہ ہے جس کا کنارہ بھی ہے دھارا
مانگے جو نہ پانی کبھی مارا ہے وہ اس کا
دریا کا جو دھارا ہے، کنارہ ہے وہ اس کا

(۹۸)

برّندہ تھی تلوار بھی شبدیز بھی تھا تیز
کافی ہے اسے ہاتھ کی جنبش، اسے مہمیز
وہ بھیڑ قیامت کی، وہ حملہ غضب آمیز
نعرہ کیا جب گونج گیا دشتِ بلا خیز
کیوں دل نہ ہلیں ضیغم نر گونج رہا تھا
اک شیر اِدھر ایک اُدھر گونج رہا تھا

(۹۹)

جس وقت غبار اٹھ کے ہوا پر ہوا جاگیر
نقش اس کے بنے خود صفتِ لشکر تزویر
اور نقش بھی وہ چلتے ہوئے جو تبر و تیر
میداں کی کھنچی تھی ورق گرد پہ تصویر
ہٹتے تھے یوں ہی غول بہم فوج دغا کے
جو گرد کا تھا حال تھپیڑوں سے ہوا کے

(۱۰۰)

وہ کون ہے اس پیاس میں آفت جو یہ جھیلے
وہ آپ کے حملے، سپہ شر کے وہ ریلے
لاکھوں سے کچھ اس طرح لڑے آپ اکیلے
جس طرح شکم سیر اسد صید سے کھیلے
کیونکر نہ مریں ان سے انہیں میل نہیں ہے
یہ شیر کی بازی ہے کوئی کھیل نہیں ہے

(۱۰۱)

یہ حال ہوا فوج کا جب رخش کو چھیڑا
جس طرح پڑے موج کا کشتی پہ تھپیڑا
باقی نہ رہا تیغ سے آخر کو بکھیڑا
پانی جو بڑھا ڈوب چلا فوج کا بیڑا
حیرت ہے، کہاں قلب کے وہ لاگ میں نکلے
پانی میں تو سب غرق ہوئے آگ میں نکلے

(۱۰۲)

وار ان پہ کیا جس نے وہ خود آپ ہی جھیکا
یاں تار زرہ کا بھی ہوا بال نہ بیکا
رہوار نے باقی نہ رکھا نام کسی کا
ڈھالیں بھی رخ فوج کا آخر ہوئیں ٹیکا
کھاتا کوئی کیا زخم سپاہی کی طرح سے
سپریں نہ چھٹیں منہ کی سیاہی کی طرح سے

(۱۰۳)

جس سمت کو چاہا اسی جانب انہیں لائے
گھوڑوں کو ڈپٹ کر گہہ اِدھر گہہ اُدھر آئے
چارآئینہ والوں میں تو وہ ڈھنگ دکھائے
جس طرح سے پیراک کوئی ہاتھ لگائے
یوں طے کیا اس قلزم ذخار کی حد کو
جس طرح کبھی پیرتے دیکھا ہو اسد کو

(۱۰۴)

کیا اس سے کرے قصد کوئی بے ادبی کا
جوہر کا بھی جس کے نہ کبھی بال ہو بیکا
اس طبع پہ ہے دھیان نہ راحت طلبی کا
سیرابیاں وہ اس پہ نشاں تشنہ لبی کا
تھے پیاس میں بھی طور اسی جلوہ گری کے
جوہر تھے کہ پپڑائے ہوئے ہونٹ پری کے

(۱۰۵)

کچھ دھوپ کی پروا تھی، نہ غم تشنہ لبی کا
رگ رگ مین اثر ہاشمی ومطلبی کا
شہرہ ہو نہ کیوں دین رسولؐ عربی کا
فقرہ تھا جو اس تیغ کا کلمہ تھا نبیؐ کا
کیوں شیفتہ دیں بھی نہ ہو اُس آفتِ جاں پر
جھنکار تھی یا کلمہ طیب تھا زباں پر

(۱۰۶)

کس کس سے لڑیں جنگ میں، کس سے رہیں ہشیار
یاں دل بھی ہے اور آنکھ بھی ہے لڑنے پہ تیار
اور اپنی طرف بگڑی لڑائی کے سب آثار
ہیں خون کی دھاریں بھی تو چلتی ہوئی تلوار
انداز وغا کے بھی یہ ہیں ان سے بگڑ کے
دم بھی جو نکلتے ہیں تو تلوار پکڑ کے

(۱۰۷)

کیونکر نہ مرے موت بھی خود اس کی ادا پر
معشوق کی مانند جفائیں ہیں جفا پر
کس کو نہ ہوئی حرص وغا ان کی وغا پر
ذروں کے بھی لشکر کی چڑھائی تھی ہوا پر
فرمایئے واں ہمت دل کس کی بڑھی ہو
جس جنگ میں خود گرد لڑائی پہ چڑھی ہو

(۱۰۸)

ٹاپوں سے اشارے تھے یہ اس اوج میں پیدا
میں فرد وہ ہوں جو ہے ہر اک زوج میں پیدا
جوہر نہیں موجیں ہیں یہاں موج میں پیدا
وہ فوج کو کیا سمجھے جو ہو فوج میں پیدا
یہ کیا ہوا دم میں نہ صفیں تھیں نہ پرے تھے
وہ نکلے ہیں کانٹے جو مرے دل میں بھرے تھے

(۱۰۹)

کیوں اس کی خموشی بھی نہ ہو تیززبانی
خشکی یہ وہ ہے جس میں ہے دریا کی روانی
جوہر کے بھی حلقے ہیں ڈبونے کی نشانی
جس طرح کے گرداب اسی طرح کا پانی
کیوں حلق میں ہر اک کے نہ کانٹا سا گڑا ہو
تلوار کا پانی بھی ہو، پھندا بھی پڑا ہو

ساقی نامہ (۱۱۰)

ہاں ساقیٔ مہوش مئے گلفام پلا دے
رنگین و فرح بخش و دل آرام پلا دے
پچھلے کو جو دیتے ہوں سر شام پلا دے
جم جائے مرا رنگ اگر جام پلا دے
دشمن جو ہوں وہ رنج کو گو ٹال رہے ہوں
شیشہ کی طرح منہ سے لہو ڈال رہے ہوں

(۱۱۱)

صدقے میں مغاں کے مجھے اس مے سے چھکا دے
جو برق تجلی کی طرح مجھ کو لٹا دے
پیمانے کے لب سے لب کوثر کو ملا دے
چھلکا دے جو مجلس کو بھی وہ جام پلا دے
مجمع بھی کچھ ایسے ہیں جن و انس و ملک کے
مجلس مری فردوس میں پہنچی ہے چھلک کے

(۱۱۲)

کیونکر نہ پھرا پاؤں محبت کی نظر کو
ساغر کو بھی بھیجے جو نہ تو میری خبر کو
حسرت ہے تو یہ اب ہے مرے قلب و جگر کو
ساغر کے میں اس سمت ہوں، شیشہ ہو اُدھر کو
حالت وہ مری ہو کہ زمانے کو عجب ہوں
شیشے سے شراب آرہی ہو، جام پہ لب ہوں

(۱۱۳)

وہ مئے کہ جو سیر چمن خلد دکھا دے
وہ مے کہ جو آنکھوں کے بھی پردوں کو اٹھا دے
اب عذر ہے کیا؟ کیوں نہ مئے سرخ پلا دے!
کہتا ہوں میں خود دل میں مرے آگ لگا دے
کر دے یہ خنک کیوں نہ مرے قلب و جگر کو
اس آگ کا شعلہ تو بجھاتا ہے سقر کو

(۱۱۴)

ہاں خیر تری، بادہ گلفام دئے جا
جاں بخش و مزیل غم و آلام دئے جا
میں نام بھی لیتا نہیں، بے نام دئے جا
جو نور کے جامے میں ہوں، وہ جام دئے جا
منصف ہو تو ہی بادۂ گلفام نہ چھلکے
مجلس تو چھلکتی ہو مگر جام نہ چھلکے

(۱۱۵)

وہ مے کہ جو مرہم ہو مرے زخم گلو کی
کانٹا بھی وہ اس کا ہو جو سوزن ہو رفو کی
لے ہاتھ مرا ڈال دے گردن میں سُبو کی
دیتا ہوں قسم تجھ کو میں شیشے کے لہو کی
اک شرط ہے یہ بھی کہ مرا ساتھ بھی دے دے
دے جام تو بغلوں میں مرے ہاتھ بھی دے دے

(۱۱۶)

دیکھا ہے اثر کتنا مجھے جوش ولا ہے
شیشہ جو ہلا ہے تو مرا دل بھی ہلا ہے
دے چک وہ مجھے ہاتھ پہ جو پھول کھلا ہے
بیتاب نہ کیوں ہوں کہ لہو مجھ میں ملا ہے
جو رنگ مرے ہوں انھیں بے سیر نہ کہنا
اب حال کو بھی میرے کبھی غیر نہ کہنا

(۱۱۷)

اک بات کہوں اور توجہ ہو تجھے گر
جب ہو نہ تحمل تو کروں صبر میں کیونکر
آنکھوں سے میں دیکھا کروں اور دل نہ ہو مضطر
شیشہ کا لہو پی لے مرے سامنے ساغر
جب تک نہ عوض لوں نہ جیا ہوں نہ جیوں گا
میں جام کا بھی خون اسی طرح پیوں گا

(۱۱۸)

سب لطف ہو میداں مرا میدان سخن ہو
مستوں کے بھی ہو حق میں لڑائی کا چلن ہو
تلوار مری موج مئے نور فگن ہو
کم شیر سے میں بھی نہ ہوں نشہ جو ہرن ہو
لازم ہے اعانت بھی تجھے میری مدد بھی
مستی میں تو انگڑائیاں لیتا ہے اسد بھی

(۱۱۹)

وہ مے جو تجلی میں ہو خورشید جہاں تاب
شاہوں کے لئے بھی ہو جو ناممکن و نایاب
اس مے کے لئے کیوں نہ ہوں میں مضطرو بیتاب
تو بحر کرم ہے تو میں ہوں صورت گرداب
یہ ظرف ہے تو عیب کوئی دھر نہیں سکتا
دریا نہ ہو تو جام مرا بھر نہیں سکتا

(۱۲۰)

اتنی تو شراب اے مرے اعجاز نما دے
جو قطرہ ناچیز کو کوثر سے ملا دے
ہمت تو یہ کہتی ہے کہ گرداب بنا دے
پی جاؤں جو دریا بھی مرے منہ سے لگا دے
مئے اتنی تو در آئے مرے قلب و جگر میں
جس طرح کہ آب آتا ہے دریا کا بھنور میں

(۱۲۱)

حملوں میں جو دیکھا کہیں دریا کا کنارا
بہتے ہوئے دریا کا بنی تیغ بھی دھارا
تر ہو کے پسینے میں جو نعرہ کہیں مارا
معلوم ہوا شیر ترائی میں ڈنکارا
غل تھا یہ ہو حملہ تو لڑائی بھی ہو ایسی
گر شیر ہو ایسا تو ترائی بھی ہو ایسی

(۱۲۲)

پہنچا ہے وہاں اب اسد اللہ کا جانی
جس جا سے نظر آتی ہے موجوں کی روانی
لاکھوں سے بھی اٹھتی نہیں ضربت کی گرانی
دریا سے ملا چاہتا ہے تیغ کا پانی
اب گھاٹ بھی قبضہ سے رہا ہو نہیں سکتے
دو آب بہم مل کے جدا ہو نہیں سکتے

(۱۲۳)

کیوں تفرقہ طرفہ نہ ہو اب فوج ستم میں
اللہ نے بخشا ہے اثر ان کے قدم میں
اب فوج تو ساحل پہ ہے عکس اس کا علم میں
جو فوج علم میں ہے وہ گویا ہے عدم میں
آثار جو سب ہیں غضب رب صمد کے
اک شور ہے فوج آگئی پنجہ میں اسد کے

(۱۲۴)

کہتا ہے علم بھی کہ جو بڑھنا تو سنبھل کے
رہ جاتا ہے رستم بھی یہاں ٹھاٹھ بدل کے
رک جاتے ہیں یاں ہاتھ بھی اور پاؤں بھی چل کے
جاؤگے کہاں شیر کے قابو سے نکل کے
میدان کے شکنجے سے جو ٹل جاؤ تو جانیں
اب شیر کے پنجے سے نکل جاؤ تو جانیں

(۱۲۵)

تن کر زرہ تنگ میں جب شان دکھا دی
وہ نور چھنا جس نے کہ حلقوں پہ جلا دی
میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ پیارے نے صدا دی
کرنوں سے زرہ کے تن انور کو دعا دی
دل سیر نہ ہو گر وہ وقار آنکھ سے دیکھے
کیونکر نہ زرہ ان کو ہزار آنکھ سے دیکھے

(۱۲۶)

وہ آپ کے حملے سپہ شر کے وہ تر بھر
میں کہتا ہوں میں بھی ہوں غلام آپ کا آخر
میری بھی تو لیجے خبر اے خلق کے ناصر
واں آپ ہیں یاں فوج مضامین میں ہے ماہر
مطلب یہ ہے مانوں نہ ذرا ضعف کے سن کو
آپ اُن کو بھگا دیجئے میں باندھ لوں ان کو

(۱۲۷)

تلوار تو لی جوش شجاعت میں کمر سے
آیا نہ مگر فرق نظر خیر کا شر سے
غافل رہے بدمست لڑائی کی خبر سے
پانی جو کمر تک تھا وہ اونچا ہوا سر سے
کہتی تھی اجل بھی کہ ابھی اور بڑھے گا
تلوار کا پانی بھی تو نیزوں ہی چڑھے گا

(۱۲۸)

ساحل سے غرض بھاگ گیا لشکر اشرار
اڑ کر صفت تیر گیا نہر پہ رہوار
پھر سے جو نظر آنے لگے فوج کے آثار
مشکیزہ یہ بھرنے لگے با چشم گہر بار
بچوں کا تو کیا ذکر کہ تقدیر پھری تھی
پیاسوں کی طرح مشک بھی پانی پہ گری تھی

(۱۲۹)

لب تر یہ بھلا کیا ہوں نہیں، ان سا وفادار
آواز سے بچوں کی جگر ہوتا ہے افگار
جلدی کریں بھرنے میں تو اس میں بھی ہیں ناچار
سوکھے ہوئے مشکیزے کا منہ کھلنا ہے دشوار
لیں اس سے یہ کیا کام کسی تشنہ دہاں کا
جس مشک میں مشکل ہو گذر آب رواں کا

(۱۳۰)

اس دہر سے مضطر ہے ید اللہ کا جانی
اب کیا کریں دریا کے لئے خاک بھی چھانی
یاں بھی ہے صغیروں کے نصیبوں کی نشانی
مشکیزہ میں جا کر بھی پھرا آتا ہے پانی
حیران ہیں باوصف روانی نہیں بھرتا
یہ بھرتے ہیں اور مشک میں پانی نہیں بھرتا

(۱۳۱)

سن رکھئے مصائب کو بھی ماہرؔ کی زبانی
فریاد کا ہے وقت دم اشک فشانی
آخر یہ صغیروں کی بڑھی تشنہ دہانی
خود مشک کے بھی حلق میں رکنے لگا پانی
(جانیں) جو وہاں یاد میں جانے لگیں آخر
خود مشک کو بھی ہچکیاں آنے لگیں آخر

(۱۳۲)

افسوس ہے ہم لوگ تو سیراب ہوں ہر بار
واں مشک کو بھی پانی کے پینے سے ہو انکار
گر دیکھئے تو اور کھلیں آپ پہ اسرار
اب تک بھی ہیں مشکوں کی رواں آنسوؤں کے تار
ہم یاد کریں کیوں نہ ولی ابن ولی کو
مشکیں بھی تو روتی ہیں حسینؑ ابن علیؑ کو

(۱۳۳)

کاندھے پہ رکھے مشک بہر طور پر از آب
اونچا ہوا جب ابر کا ٹکڑا ہوا سیراب
جو چیز ہے ان کی وہ زمانے میں ہے نایاب
یاں ابر کا لکہ ہے پس مہر جہاں تاب
ہے عشق جو ان کا تو پئے صبر لئے ہے
آغوش میں خورشید کو یاں ابر لئے ہے

(۱۳۴)

واں سے سر نو تھی جو یرش شیر وغا پر
مانند علیؑ آتے ہیں یہ فوج دغا پر
مشکیزہ نہ تھا اس فرس ہوش ربا پر
اک ابر کا لکّہ تھا کہ جاتا تھا ہوا پر
تقدیر یہ کہتی تھی ہر اک ماہ جبیں کی
اس ابر کا بھی آب ہے قسمت میں زمیں کی

(۱۳۵)

پانی کے جو بچنے کا نہیں کوئی قرینہ
کہتے ہیں کہ منظور ہمیں بھی نہیں جینا
گہہ مشک ہے سینہ پہ کبھی مشک پہ سینہ
یوں چل رہے ہیں تیر کہ سوکھا ہے پسینہ
کوئی بھی زمانے میں لڑا ایسی وفا سے
دامن بھی جو اڑتے ہیں تو تیروں کی ہوا سے

(۱۳۶)

کس کس کے بلا آئی ہوئی سر سے یہ ٹالیں
تلوار جو روکیں تو وہ ارمان نکالیں
ریلیں انہیں تو سینے میں ہیں نیزوں کے بھالیں
رکھیں خبر مشک کہ رایت کو سنبھالیں
جو چیز ہے ان کے لئے وہ آفت جاں ہے
مشکیزہ ہے بچوں کا بزرگوں کا نشاں ہے

(۱۳۷)

ناگاہ چلا قہر کا اک ناوک بیداد
یہ ظلم تو جلاد فلک کو بھی نہ تھا یاد
ہم آپ تو انسان ہیں، پتھر ہیں نہ فولاد
بہتا ہوا پانی بھی تو کرنے لگا فریاد
کیا تیر تھا ہر قلب میں جو پیٹھ گیا تھا
دل ان کی طرح مشک کا بھی بیٹھ گیا تھا

(۱۳۸)

بچوں کی (وہ) پیاس اس پہ وہ قہر اشک فشانی
حضرت سے وہ ہر بار کے پیغام زبانی
اللہ صغیروں کی یہ تھی تشنہ دہانی
گرنے پہ بھی جویا ہوا ہر سمت کو پانی
کیا پیاس تھی اولاد شہنشاہ نجف کو
پانی بھی بہا گر کے تو خیمہ کی طرف کو

(۱۳۹)

ممکن ہی نہیں ان کی شجاعت کا سَیاہا
شانوں کے بھی کٹنے پہ ذرا دل نہ کراہا
منصب کے فرائض میں جو اس شیر نے چاہا
اللہ نے بھی اس کو اسی طرح نباہا
کی اپنی ہی سی ضربت شمشیر دو دم پر
اک ہاتھ گرا مشک پہ اور ایک علم پر

(۱۴۰)

بے ہاتھ بھی لڑنے پہ نہیں بند کہیں پر
کیا کیا کئے حملہ نہ یوں ہی لشکر کیں پر
آخر کو پڑا گرز گرانبار جبیں پر
صد چاک ہوا فرق گرے گرم زمیں پر
دی شہ کو صدا حال مرا نوع دگر ہے
جلد آیئے مشتاق زیارت کا سفر ہے

(۱۴۱)

اب سنئے کہ آپ آتے ہیں اس لاش پہ کیونکر
اس سمت تھے خم آپ تو اس سمت کو اکبرؑ
کاندھے پہ نہادہ تھا پسر کے سر انور
گہہ دوست کہا گاہ پسر گاہ برادر
کہتے تھے وہ جو شیر کی رعنائی کو روئے
یا روئے تھے یہ باپ کو یا بھائی کو روئے

(۱۴۲)

فرماتے ہیں حسرت ہے تمہیں حال دکھا لیں
ممکن جو اٹھانا ہو تو لاشہ بھی اٹھا لیں
تجھ سے بھی سنیں درد دل اور خود بھی سنا لیں
اتنا ہی ٹھہر جاؤ کہ ہم پاس تو آ لیں
گر نزع کا ہو وقت مرا نام لو بھائی
اس وقت میں یوں بھائی سے کچھ کام لو بھائی

(۱۴۳)

تم دو نہ جواب اور یہ مظلوم پکارے
قبل اس کے تو عادات نہ تھے ایسے تمہارے
بے وارثیوں کے بھی صغیروں کے بھی پیارے
کس سمت ہے تو اے مرے گھر بھر کے سہارے
دم دے وہ نہ کیوں دھیان میں خود آپ تھے جس کے
وہ کون تھا خیمہ میں نہ یہ باپ تھے جس کے

(۱۴۴)

ان لوگوں کو کچھ خوف خدا ہی نہیں بھائی
تکلیف مری کون سی چاہی نہیں بھائی
اب کہتے ہیں جو تم نے سنا ہی نہیں بھائی
بے بھائی کے جینے کا مزا ہی نہیں بھائی
ہو جس میں کدورت وہ صفائی نہیں رکھتا
جو چاہیں کہیں اب کہ میں بھائی نہیں رکھتا

(۱۴۵)

تم نے جو کیا مجھ سے وہ عالم پہ کھلا ہے
ایسا تو وفادار نہ ہوگا نہ ہوا ہے
یہ سب ہے، مگر یہ بھی کوئی طرز وفا ہے
شبیرؑ کو گر ہے تو بس اتنا ہی گلا ہے
تھی یہ نہ خبر چھوڑ کے یوں جاؤ گے بھائی
جنگل کی ہمیں ٹھوکریں کھلواؤ گے بھائی

(۱۴۶)

اللہ ہی آگاہ ہے جس حال میں ہیں ہم
ہے ضعف سے گرتی ہوئی دیوار کا عالم
اک آن میں تم کو تو رہے گا نہ کوئی غم
وہ کیا کرے جو ڈوبتی کشتی سے نہیں کم
آخر کی وفا سے بھی تو کچھ کام لو بھائی
گر ہاتھ بچے ہوں تو ہمیں تھام لو بھائی

(۱۴۷)

کہتے ہیں پسر سے یہ ہے تقدیر کا کیا پھیر
دوڑے ہوئے ہم جاتے ہیں اس پر بھی ہے یہ دیر
بیٹا مری نظروں کا تو کہتا ہے یہ اندھیر
خاک اڑتی ہے جس جا پہ تڑپتا ہے وہیں شیر
کیوں دیر نگاہوں پہ چڑھی جاتی ہے بیٹا
ہم چلتے ہیں اور راہ بڑھی جاتی ہیں بیٹا

(۱۴۸)

پہنچے جو وہاں آپ اسی آہ و بکا میں
دیکھا تو یہ بے مثل ملے شرم و حیا میں
کچھ خلف سا سمجھے ہیں جو وعدہ کی وفا میں
لپٹے ہوئے لیٹے ہیں یہیں رن کی ادا میں
جرات اسے کہتے ہیں یہ عالی نسبی ہے
شانے ہیں قلم دانتوں میں تلوار دبی ہے

(۱۴۹)

اب وقت فغاں کا ہے دم نوحہ گری ہے
بھائی وہ ملا ہے کہ جو دم میں سفری ہے
جو بات ہے الفت سے سکینہ کی بھری ہے
پیاری جو وہ تھیں مشک بھی کس جا پہ دھری ہے
ہے فرش زمیں کا تن بیمار کے نیچے
رایت پہ ہے سر، مشک ہے رخسار کے نیچے

(۱۵۰)

اک سانس ہی سینے میں نہ ان کے سفری تھی
جو آنکھ تھی وہ بھی تو چراغ سحری تھی
باعث وہی الفت تھی جو اس طرح دھری تھی
اور مشک بھی وہ خوں سے سراسر جو بھری تھی
کیا انس یہ رکھتے تھے ہر اک تشنہ گلو سے
پانی جو بہا مشک بھری اپنے لہو سے

(۱۵۱)

اب مرثیہ بھی ختم ہے ان کی بھی ہے رحلت
کچھ اس کو بھی سن لیجئے شہ کی جو ہے حالت
شانوں سے کٹے ہاتھ ملائے ہیں بہ دقت
منظور یہ ہے دیکھ لیں جی بھر کے وہ صورت
گہہ بین ہیں لب پر تو کبھی اشک رواں ہیں
خم پشت میں ہے سر سے قدم تک نگراں ہیں

(۱۵۲)

فرماتے ہیں اس شان پہ اس سن پہ جدا ہو
قابل جو سفر کے ہو وہ پابند بلا ہو
اس لاش کے بارے میں تو کچھ کہئے کہ کیا ہو
ہم صاف کہے دیتے ہیں گو اس میں گلا ہو
خود آپ کے بے ہوش میں آئے نہ اٹھے گی
یہ لاش ہمارے تو اٹھائے نہ اٹھے گی

(۱۵۳)

سن رکھیں سب اس کو بھی اسی بزم سخن میں
دیتا ہے جو ماہرؔ خبر آلام و محن میں
جائز ہو اگر شرع محمدؐ کے چلن میں
یہ مرثیہ جائے گا مرے ساتھ کفن میں
تا وقت مدد مالک کونین بھی روئیں
میں پڑھ کے جو رووٗں تو نکیرین بھی روئیں

(۱۵۴)

ماہرؔ میں اب اک مقطع ثانی بھی سنا دوں
مقطع میں بھی کچھ زور طبیعت کا دکھا دوں
الٹوں جو ورق آنکھوں کے پردے بھی اٹھا دوں
دیں آپ مجھے دل کو میں یہ داد ثنا دوں
کب مرثیہ ہے حال ولی ابن ولی کا
یہ ہاتھ میں دامن ہے حسینؑ ابن علیؑ کا

بتاریخ ۱۴ رجنوری ۱۹۱۳ء برائے مجلس نور چشم بنی (بنے) سلمہ دوروز میں لکھا (از بند ۲۹۱، یعنی یہ مرثیہ ۴۴۱ بند کا ہے)

(بقیہ۔۔۔۔۔۔دربار شام میں جناب زینبؑ کی پیشین گوئیاں)

اطہارؑ جس جگہ قید کئے گئے تھے وہ قید خانہ، ان کے قیام کی بدولت ایک متبرک مقام بن گیا ہے۔ نہ یزید کے محلات باقی ہیں، نہ اس کی قبر البتہ سکینہ بنت الحسینؑ کی قبر پر ایک شاندار روضہ تعمیر ہے جہاں لوگ اپنی اپنی نذر عقیدت پیش کرتے ہیں۔ نہ صرف یزید بلکہ اس کے بزرگوں کی بھی تمام نشانیاں ذلت کی یادگاروں کے ساتھ ہیں لیکن جو چیزیں اہلبیت سے کسی طرح بھی منسوب ہوگئی تھیں، آج بھی عزت واحترام کے ساتھ باقی ہیں لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن نہ ہوگا کہ یزید اور اس کے منسوبات کو اور بنی امیہ اور ان کے کارناموں کو حقارت وتذلیل کی آخری منزلوں تک پہنچانے میں رسولؐ کی نواسی، دختر علیؑ وبتولؑ، جناب زینبؑ کا کردار سب سے زیادہ معین ومددگار ثابت ہوا ہے۔

جناب زینبؑ اگر نہ ہوتیں تو یہ عین ممکن تھا کہ اپنے باپ کی طرح یزید بھی خطاء اجتہادی کی قبا زیب تن کر لیتا اور تاریخ میں اپنے لئے نسبتاً محفوظ جگہ تلاش کر لیتا۔ جب امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ جیسی شخصیت سے مقابلہ ومقاتلہ کے باوجود امیر شام معاویہ بن ابوسفیان امیر المومنین بھی ہیں اور خال المومنین بھی، کاتب وحی بھی ہیں اور رضی اللہ عنہ بھی تو یزید تو دنیاوی لحاظ سے بدرجہا بہتر پوزیشن میں تھا۔ وہ اجماع، استخلاف شوریٰ اور قہر وغلبہ کی مجموعی طاقتوں کے ذریعہ سے اسلام کا خلیفہ بنا تھا لیکن یہ جناب زینبؑ اور حضرت سید سجادؑ کا عمل ہے جنھوں نے شہادت حسینؑ کے تاثرات کو دنیائے اسلام کے اس طرح ذہن نشین کرایا کہ آج بنی امیہ کے زرخرید مورخ کے لئے بھی یزید کے لئے تاویل کا کوئی درجہ باقی نہ رہا اور نہ صرف رشد وہدایت کی تاریخ میں بلکہ دنیا کی بھی تاریخ میں یزید کو حضرت امام حسینؑ کے مقابلہ میں وہ جگہ ملی جو جناب آدمؑ کے مقابلہ میں ابلیس کو جناب نوحؑ کے مقابلہ میں ان کی امت ناہنجار کو، جناب ابراہیمؑ کے مقابلہ میں نمرود کو، جناب موسیٰؑ کے مقابلہ میں فرعون کو، جناب عیسیٰؑ کے مقابلہ میں یہودیوں کو اور جناب محمد مصطفیٰؐ کے مقابلہ میں ابوجہل وابوسفیان کو ملی تھی۔

❁❁❁